شعرِ عربی کی مختصر تاریخ

دورِ اسلامی

از

جناب پروفیسر سید رغیب حسین ایم - اے - پی ایچ ڈی

(صدر شعبۂ فارسی - بریلی کالج - بریلی)

شہر مکہ میں عام الفیل میں ۹ ربیع اول (مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء) روز دو شنبہ کو حق تعالیٰ کی رحمت مجسم ہو کر خواجہ عبدالمطلب کے محبوب ترین فرزند حضرت عبداللہ کے گھر حضرت سیدنا احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ظاہر ہوئی، وہ رحمت اگرچہ ساری دنیا کی دائمی اصلاح کے لئے آئی تھی لیکن اصالۃً اور مقصوداً اہلِ عرب کی اصلاح کے لئے اور پھر ان کے واسطہ سے ساری دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجی گئی تھی۔

ہم چونکہ شعر العرب کی کتاب لکھ رہے ہیں اور اس میں بھی اختصار ملحوظ ہے اس لئے ہم سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے یہاں صرف اتنا جزو بضرورت بیان کریں گے جس کا اثر عربی شعر و ادب پر پڑا۔

اسلام نے عربوں سے ان کے بڑے محبوب مشاغل مثل شراب خواری - قمار بازی - اور اُن کے دیرینہ عقائد مثل بت پرستی - کاہنوں کی تعظیم - کواکب کے سعد و نحس ہونے کا اعتقاد - نیز ان کے جاہلانہ رسوم، مثل لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا - مُردوں پر نوحہ و ماتم اور ان کے فواحش مثل سوتیلی ماؤں سے نکاح کرنا - اور ان کے وحشیانہ اطوار مثل لوٹ مار - حرام جانوروں کو کھا جانا وغیرہ وغیرہ - بے شمار بُری عادتیں یکسر چھڑا دیں - باہم خانہ جنگیاں - برسہا برس تک کینہ کی پرورش وغیرہ بد اخلاقیوں سے ان کو نفرت دلا دی اس کے مقابل عمدہ اخلاق - دوسرے کے مال کا

احترام بلکہ حفاظت۔ اخلاص وللّٰہیت۔ صبر و قناعت۔ ایثار و تواضع وغیرہ ان کے اندر پیدا کر دیے۔ ان تمام تعلیمات کی اصل و بنیاد قرآنِ پاک تھا۔ قرآن جو خدائے ذوالجلال کا پُر جلال کلام تھا اس کے نظم و عبارت میں عربوں کے ذوقِ شعری کو وہ تمام چیزیں مل گئیں اور معجزانہ طور پر یک جا مل گئیں جس کے وہ لوگ شیدائی تھے۔ کلمات کی فصاحت و لطافت۔ معانی کی جزالت و جلالت۔ شعر کی رنگینی اور سحر کی سنگینی۔ نغمہ و شراب کی مستی اور ملکوتی حق پرستی غرض یہ سب ان کو اچانک جو ملا تو وہ مبہوت ہو کر رہ گئے ان کے زباں دانی کے دعوے سرد پڑ گئے ان کی فصاحت اور گویائی کا سرِ پُر غرور اس کے سامنے جھک گیا گویا ان کے ذوقِ شعر و ادب نے قرآن کے پردہ میں شعر و ادب کے خداوند کا نظارہ کیا تو اس کی تجلّی کے آگے سجدہ ریز ہو گیا ؎

جہاں جہاں سے تقاضائے حسنِ یار ہوا مری نگاہ نے جھک جھک کے کر دیے سجدے (حضرت اصغر مرحوم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی شعر قصد کر کے نہیں فرمایا۔ بلکہ بعض کلمات اگر بلا قصد محض آپ کے غایت لطافت شعور کے باعث اتفاقاً کسی وزن میں موزوں ہو تا نظر بھی آیا تو آپ نے اُسے ادا اس انداز سے کیا گویا وہ نثر کا ایک جملہ ہے آپ اسلام کی تعلیم لے کر تشریف لائے تھے جو یکسر دعوتِ سعی و عمل ہے اس لئے آپ نے لغو اور لایعنی امور سے جن میں شعر بھی داخل ہے قوم کو روکا کہ اس سے قوائے عمل زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ پھر چوں کہ شعر کا مایۂ خمیر جھوٹ ہے اور اسلام میں جھوٹ کی گنجائش نہیں اس لئے وہ شعر جس کے عرب دل دادہ تھے اسلام کے ساتھ میل ہی نہیں کھا سکتا تھا۔ البتہ آپ نے شعر کے متعلق یہ زرّیں ارشاد فرمایا کہ "الشعر کلام فحسنہٗ حسنٌ وقبیحہٗ قبیحٌ" یعنی شعر بھی ایک قسم کا کلام ہے۔ اگر کلام اس میں اچھا کہا گیا ہے تو شعر بھی اچھا ہے اور اگر کلام خراب ہے، تو شعر بھی خراب ہے۔ اسی نظریے کے مطابق آپ نے اچھے اشعار سنے۔ ان کو پسند فرمایا ان کے کہنے کی اور سنانے کی فرمائش کی۔ مسجد میں منبر رکھوا کر اس پر اچھے اشعار پڑھواتے اور سنتے اور سنواتے۔ بعض میں اصلاح دی۔ کبھی شعر سن کر انعام عطا فرمایا۔ ان حالات میں اسلام قبول کرنے والوں نے یا تو شعر کہنا ہی بند کر دیا یا بہت کم کر دیا اور اگر جاری رکھا تو اس کا رخ اور دھارا بدل دیا۔ جاہلیت کا شعر

اکثر و بیشتر طبیعت کی اپج اور فطری جولانی دکھانے کی ایک چیز تھی وہ اسے کسب کا ذریعہ نہیں بناتے تھے۔ جاہل شعرا میں پہلے صرف ایک زُہیر نے البتہ شعر کی بدولت بہت کچھ انعامات و ہدایا پائے مگر انصاف یہ ہے کہ اس نے انعام پانے کے قصد سے اشعار و قصائد نہیں کہے تھے مگر اس کے بعد نابغہ ذبیانی۔ اعشیٰ ا منخّل وغیرہ نے تو شعر کو مستقلاً ذریعۂ معاش بنالیا۔ آزاد فطرت اور قناعت پسند بدویوں نے اس بدعت کو اپنی جبینِ بے نیازی پر ایک داغ سمجھا اور اسے بہت بُری نگاہ سے دیکھا۔ نتیجہ بھی یہ ہوا کہ شعر عربی اپنی قدرتی بلندیوں سے صنعتی پستیوں کی جانب اور بے باک حق گوئی سے اپنے ہی جیسے انسانوں کی خوشامد اور بیجا مداحی کے گڑھے میں جا پڑی۔ ٹھیک اسی موقع پر اسلام نے بروقت آگران کے افکاران کے اطوار۔ ان کے عقائد ان کے ذاتی منافع و فوائد۔ ان کے اعمال اور ان کے احوال و اقوال کی یکلخت کایا ہی پلٹ دی اور اپنے برکاتِ عمومی سے شعر و ادب کو بھی مالا مال کر دیا۔ اسلام کے بعد شعر کا عام مصرف حسب ذیل امور ہو گئے :۔

نیکیوں کی ترغیب۔ کار آمد مخلصانہ نصیحت۔ حضورؐ کی نعت و مدح اور آپ کے صحابہؓ کی تعریف۔ کفار کے مطاعن اور ہجو گوئی کا جواب۔ اسلام کے محاسن کی اشاعت۔ جہاد کی ترغیب۔ اسلامی جنگوں کے تذکرے۔ شہادت کا شوق۔ شہدائے حق کا مرثیہ اور ان کے درجات کا ذکر۔ مکارمِ اخلاق کا بیان۔ اسلام پر فخر۔ کفر سے نجات پر مسرت۔ بے جا فخر نسب کی خرابی وغیرہ۔

شخصی مدائح میں اگرچہ محبت کی نگاہ مبالغہ کرنا چاہتی ہے مگر اس میں ایک تو ابتدائے اسلام میں خلفاء راشدین اور ان کے کچھ بعد تک لوگوں نے اپنی مدح پسند ہی نہیں کی۔ دوسرے شعرا بھی اسلام کی تعلیم کے باعث صرف واقعی صفات کا ذکر کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اسلام کی گرفت ڈھیلی ہونے لگی اور شخصی مدائح آخر مبالغہ۔ بیجا خوشامد۔ افراطِ محبت کے باعث کذبِ محض بن کر رہیں۔ اسی طرح ہجو گوئی ابتدا میں تو کفار کے لئے بضرورت شروع کی گئی لیکن رفتہ رفتہ اس میں بھی کذب و مبالغہ نے راہ پالی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ کچھ دنوں بعد مسلمانوں نے مسلمانوں ہی کی ہجو کہنی شروع کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رسم بد سب سے پہلے عہدِ فاروقؓ میں حُطیئہ عبسی نام ایک مجہول النسب اور ضعیف الاسلام شخص نے مسلمانوں میں پھیلائی۔ ورنہ مسلمانوں

نے تو ہجو گوئی کفار کے مطاعن کا جواب دینے کے لئے حضورؐ کے اس ارشاد پر شروع کی تھی کہ

"اے جوانانِ انصار! جن لوگوں نے ہتھیاروں سے اسلام کی مدد کی وہ زبان سے بھی اس کی مدد کیوں نہیں کرتے"

یہ سن کر مسلمانوں میں سے حضرت حسان بن ثابت۔ کعب۔ عبداللہ بن رواحہ نے دین کی اس خدمت اور اسلام کی اس مدافعت کا بیڑا اٹھایا

چوں کہ ہر دور کا ادب اس عہد کے تمام عوامل و مؤثرات کا آئینہ دار ہوتا ہے اس لئے ہم ذیل میں ذرا تفصیل سے بتانا چاہتے ہیں کہ دورِ اسلامی کا شعر عربی اپنے دور کے عوامل و مؤثرات سے کس حد تک متاثر ہوا یعنی بہ الفاظِ دیگر دورِ اسلامی کا عربی شعر، دورِ جاہلی کے شعر سے کن کن باتوں میں ممتاز ہے اور دونوں ادوار کے فروق اور ممیّزات کیا ہیں:-

۱۔ دورِ نبوی میں بلکہ کسی حد تک خلفاء راشدین کے دور میں شعر اپنے بنیادی ڈھانچے میں جاہلی دور ہی کی تمام خصوصیات کا حامل رہا۔ وہی سادگی، وہی جوش، وہی فطری جذبات، وہی مناظر کی عکاسی، وہی بیباکی اور آزاد منشی جو دورِ جاہلی کے اشعار میں تھی اب بھی باقی رہی۔ اگر فرق تھا تو صرف یہ کہ شعر پھر بادیہ نشینوں میں جا پہنچا کیوں کہ متمدن شہروں کے لوگ اسلام کی برکات سے اب شعر کی محض خیال آرائیوں سے کنارہ کش ہو کر حفظِ قرآن۔ روایتِ حدیث۔ جہاد بالشرک۔ مقابلۂ کفار۔ ریاضت و شب بیداری ذکر اللہ جیسے فضائل میں لگ گئے۔ چنانچہ حضرت حسانؓ کی بعد اسلام والی شاعری میں بھی وہ زور نہ رہ گیا جو قبل اسلام کے اشعار میں تھا۔ کیوں کہ اب شعر کی طرف ان کی توجہ محض ثانوی درجہ کی رہ گئی تھی

۲۔ اسلام کے آجانے پر ان کی شاعری کے موضوعات بجائے تخریبی ہونے کے تعمیری ہونے لگے اور ظاہر ہے کہ تعمیر میں تخریب کا سا زور و جوش۔ ہیجان و طوفان نہیں بلکہ متانت و سکون ہوا کرتا ہے۔

۳۔ اسلام کے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحیفۂ اعظم کی بدولت عربی شعر و ادب کو بہت سے جدید اندازِ فکر۔ جدید الفاظ و معانی۔ جدید اسالیبِ بیان حاصل ہو گئے۔ فنائے نفس۔ رضائے حق۔ اخروی ثواب و عذاب۔ جنت و جہنم۔ صلوٰۃ و صیام۔ ذکر و فکر۔ انبیاء و رسل۔ ذات و صفاتِ حق۔ قرآن و حدیث۔ کتاب و سنت۔ مومن و کافر۔ فاسق و منافق۔ رکوع و سجود۔ تہلیل و تکبیر

خلیفہ و امیر المومنین۔ بیت المال و اوقات۔ زکوٰۃ و عُشر وغیرہ کے شرعی مفاہیم ور اصطلاحات عام طور سے نظم و نثر۔ تقریر و تحریر۔ قول و عمل میں آنے اور رہنے لگے۔ اسلام سے قبل امیۃ ابن الصلت جیسے شعرا جو آخرت کا ذکر کرتے تھے محض خال خال تھے مگر اسلام کے آنے پر تو یہ تخیل یہ الفاظ اوڑھنا بچھونا ہو گئے۔ اندازِ بیان میں عِم صباحاً اور عِم ظلاماً (صبح و شام کے جاہلی سلام) کی بجائے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)۔ وعدہ کے موقع پر انشاء اللہ، خوشی کے موقع پر ماشاء اللہ و سبحان اللہ، احسان مندی کے موقع پر جزاک اللہ۔ مرباعُ (چوتھ۔ ٹیکس) کی جگہ پر خُمس۔ عُشر۔ زکات۔ نشیطہ اور فضول (فاضل اور خاص مالِ غنیمت) کے لئے صفیہ کے الفاظ اسلام کے خزانے سے ملے۔ اخلاق اور معاملات کے بدل جانے سے اندازِ فکر میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ خود غرضی خیانت وغیرہ کی جگہ ایثار۔ خدمتِ خلق۔ قناعت و امانت نے ان کے اندازِ فکر ہی کو بدل دیا۔

۴۔ اسلامی دور سے قبل ہر قبیلہ اپنے یہاں کے لب و لہجہ۔ کلمات کے مخصوص تلفظات اور صوتی تصرفات کو دانتوں سے مضبوط پکڑے بیٹھا تھا اور کسی قیمت پر ان کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ باوجود اس کے کہ حج یا دیگر قومی و ملکی میلوں (عکاظ۔ ذوالمجنہ وغیرہ) میں قریش تمیم۔ سعد و دیگر قبائل سے ملتے رہتے تھے مگر اپنے تلفظی خصوصیات میں کسی قسم کی اصلاح یا دوسرے قبیلہ کے لب و لہجہ سے کوئی قلم یا پیوند لگانا نہیں پسند کرتے تھے گویا وہ اپنے تلفظ وغیرہ کو قصداً سب سے الگ رکھنا چاہتے تھے اور اس لحاظ سے ملک عرب میں بہت سے عربی لہجے قبائل کے تلفظی تعصب کی وجہ سے پائے جاتے تھے ہم اس کا بیان ذرا تفصیل و وضاحت سے لکھنا چاہتے ہیں:-

اسلام سے قبل ملک عرب اپنے صوتی لہجوں اور صرفی و نحوی قاعدوں کے جزوی اختلافات و فرق کے باعث کئی حصوں میں بٹا ہوا تھا (گویا لسانی صوبے اس میں کئی تھے)

(الف) اہلِ حمیر کا لہجہ طمطمانیہ تھا۔ وہ لوگ لام تعریف (اَل) کو م سے بدل کر بولا کرتے مثلاً طاب الھواءُ اگر انھیں کہنا ہوتا تو وہ طاب امْھواءُ (ہوا اچھی ہے) کہتے۔ حضورؐ نے ایک حدیث بھی (شاید ان کی دل جوئی یا بقیہ صحابہ کی تفریح کے لئے) انھیں کی بولی میں فرمائی جو مشہور ہے "لیس

من امبر امصیام فی امسفر، (لیس من البر الصیام فی السفر) یعنی سفر میں (بوڑھے کا)

روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔

(ب) بنو ہذیل کا لہجہ فحفحہ کہلاتا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ وہ لوگ حا حُطّی کی جگہ عین کہتے حُسین

کو عُسین کہتے۔

(ج) بنو قضاعہ کا لہجہ عجعجہ تھا۔ وہ لوگ اسم منقوص (داعی۔ قاضی وغیرہ) اور اسم منسوب (تُرکیّ

وغیرہ) میں ی کو ج سے بدل کر بولتے چنانچہ معی کو معج۔ راعی قاضی کو راعج۔ قاضج۔ ترکی کو ترج کہتے۔

(د) اہل یمن کا لہجہ عمغمہ یا شششنہ تھا وہ لوگ حرف س کو ت سے بدل دیتے اور الناس کو النات کہتے

(ہ) بنو بہراء کا لہجہ تلتلہ کہلاتا تھا ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ مضارع کی علامات (ی۔ت۔ا

ن) کو زیر سے ادا کرتے اور یِعلمون۔ تِعلمون کہتے۔

(و) بنو تمیم کا لہجہ عنعنہ تھا وہ لفظ کے شروع والے ہمزہ کو ع سے بدل کر بولتے اَمن کو عَمن۔ امانٌ

کو عمانٌ۔ اَبٌ کو عَبٌ۔ اُمّ کو عُمّ۔

(ز) بنو اسد اور بنو ربیعہ کا لہجہ کشکشہ کہا جاتا کیوں کہ وہ لوگ ک کی جگہ ہمیشہ ش کو تلفظ کرتے

لبّیک اور کلمۃٌ کو لبّیش اور شلمۃٌ کہتے۔

(ح) بنو کلب کا لہجہ وہم کہلاتا ان کی تلفظی خصوصیت یہ تھی کہ جمع مذکر غائب کی ضمیر (ھُم) کو ہمیشہ

ہم کاف کے زیر سے کہتے۔ منہِم بینہِم

(ط) بنو ربیعہ کے لہجہ کو وکم کہتے وہ لوگ جمع مذکر حاضر کی ضمیر (کُم) کو ہمیشہ کاف کے زیر کے ساتھ

کِم کہتے علیکِم۔ بکِم۔

(ی) بنو شحر و عمان کے لہجہ کا نام لخلخانیہ تھا وہ لوگ ما موصولہ کو ہمیشہ الف گرا کر بولتے ماشاء اللہ

ماجری کو مشاء اللہ اور مجری کہتے۔

(ك) بنو طے کا لہجہ قُطعہ یہ تھا کہ وہ ہر لفظ کا آخری حرف کھا جاتے اور گرا دیتے ابو الحکم کہنا ہوتا تو

صرف ابو الحک کہتے۔

(ل) بنو سعد و انصار کا لہجہ استنطار کے نام سے مشہور تھا۔ اس میں یہ ہوتا تھا کہ وہ عین ساکن کو نؔ سے بدل کر بولتے اعطی معطی کو انطی اور منطی کہتے۔

(م) بنو مازن کے لہجہ میں ہر ب میم سے بدل جاتی بُکر کو وہ لوگ مُکر کہتے۔

(ن) بنو تمیم کی بولی میں لیس کی خبر بھی مرفوع ہی رہتی لیس طیبٌ اِلّا المسکُ خوشبو تو بس ایک مُشک ہے۔ نیز وہ مضاعف مجزوم میں بھی ادغام کرتے مثلاً غضّ۔

(س) بنو مالک کے یہاں یا اَیُّھا النّاس کو یا اَیُّہُ النّاس بولا جاتا

(ع) بنو طے کے یہاں شاید سَمِعَ اور علِم کا باب ہی نہ تھا وہ رَضِیَ کو رضیٰ کہتے۔

(ف) بنو خثعم اور بنو زبید کی بولی میں لام تعریف سے قبل اگر ن آتا تو گر جاتا جیسے منَ البیتِ اور بنی العنبر کو مِلبیتِ اور بلعنبر غرض لہجات اور تصرفات کی اتنی زنگارنگی کو قرآن پاک نے لغت قریش میں نازل ہو کر یک لخت ہباءً منثورا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ قریشی تھے اس لئے قریش کی زبان سرکاری اور دفتری زبان بن کر سب پر غالب آگئی اور اس کے دبدبہ کے سامنے تمام لہجات کا طنطنہ دب کر رہ گیا۔ لہٰذا شعر عربی میں اسلام کے بعد صرف لغت قریش جاری و ساری ہو گئی۔

۵۔ اسلام سے پہلے عرب لوگ عرب سے باہر تجارت کے لئے جاتے ضرور تھے مگر رحلۃ الشتاء والصیف سے زیادہ غالباً نہیں جاتے تھے۔ سیر فی الارض کا اتفاق عرب سے باہر ان کو کم پڑتا تھا اس لئے عربی زبان عرب کے باہر مطلق نہ پھیلی تھی کیوں کہ اس وقت عربی زبان کو کوئی اقتدارِ اعلیٰ دوسرے ملکوں کے لئے حاصل نہ تھا۔ اسلام کے بعد چوں کہ عربی زبان کی پشت پر پیغام الٰہی اور ارشادِ حضرت رسالت پناہی کا اقتدارِ اعلیٰ کارفرما تھا اس لئے عرب کی قریشی زبان اپنی فطری فصاحت کے ساتھ ملک سے باہر اقتدار و اعتبار۔ رعب اور وزن بھی لے کر پہنچی اور اب دنیا کو اس کی عزت کرنی پڑی۔

۶۔ قرآن میں کلمات کی بندش و تراکیب۔ قرآن وحدیث کے اسالیب بیان عربوں کو ملے۔

دورِ اسلامی کی شاعری کے سلسلہ میں ان ممیزات اور فروق کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ممیزات شعر عربی کے ظواہر (لغت و ادب وغیرہ) سے تعلق رکھتے ہیں ورنہ دورِ اسلامی کی

شاعری میں اور دورِ جاہلی کی شاعری میں کوئی اساسی فرق اور بنیادی اختلاف نہیں پایا جاتا اس لئے کہ اہلِ عرب اب تک اپنی قدیم روایاتی سادگی ۔ بے باکی ۔ آزادی وغیرہ اوصاف کے بدستور حامل تھے اپنے تمدن اور کلچر کے عاشق تھے غیر قوموں سے نہ تو زیادہ اختلاط کا موقع آنے پایا تھا اور نہ انھوں نے اپنا تمدن چھوڑنا پسند کیا۔

ان تمہیدی گزارشوں کے بعد اب ہم دورِ اسلامی کے شعراءِ عرب کا تذکرہ کرتے ہیں اگرچہ دورِ اسلامی میں دو قسم کے شعراء کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے ایک وہ جن کو مُخضرم کہا جاتا ہے یعنی جنہوں نے جاہلیت کا بھی زمانہ پایا اور اس میں شعر کہے اور اسلام کی دولت بھی پائی اور بحالتِ اسلام بھی شعر کہے ۔ دوسرے وہ جنہوں نے اسلام کی آغوش میں آنکھیں کھولیں ۔ مگر صحیح یہ ہے کہ موخر الذکر شعراء کو اُموی دور کے شعراء میں شمار کیا جائے ۔

پس ہم ذیل میں صرف مخضرم شعراء کا ذکر کریں گے :۔

۱۔ (الف) حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ (وفات ۱۳ھ / ۶۳۴ء) آپ کے حالات مشہور ہیں آپ کی شاعری کے سلسلہ میں ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کا ایک طویل قصیدہ نقل کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے :۔

أَمِنْ طَيْفِ لَيْلَى بِالْبِطَاحِ الدَّمَائِثِ ۔۔۔ أَرِقْتُ وَأَمْرٍ فِي الْعَشِيرَةِ حَادِثِ

اگرچہ اکثر علماء ادب کہتے ہیں کہ یہ قصیدہ حضرت صدیق رضی ہی کا ہے مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ان کی طرف محض منسوب ہے حقیقۃً ان کا نہیں ۔ بہرحال اس امر پر سب علماء ادب متفق للفظ ہیں کہ آپ نے اسلام لانے کے بعد کوئی شعر نہیں کہا۔

(ب) حضرت سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ (شہادت ۲۳ھ / ۶۴۴ء) آپ کے حالات بھی مشہور ہیں۔ کتاب "حسن الصحابہ" میں آپ کے چند ایسے اشعار لکھے ہیں جو آپ نے اسلام لانے کے بعد کہے ہیں۔

الم تر أن الله اظهر دينه ۔۔۔ على كل دين قبل ذالك حائد

فامسى رسول الله قد عز نصره ۔۔۔ وامسى عداه من قتيل و شارد

(ج) حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ (شہادت ۲۰ رمضان ۴۰ھ / ۶۵۹ء) آپ کے حالات بھی

مشہور ہیں۔ آپ کے نام سے خطبات بھی نہج البلاغۃ میں جمع کئے گئے ہیں اور اسی طرح آپ کے نام سے اشعار بھی ایک کتاب میں جمع کئے گئے جو "دیوانِ علی" کے نام سے مشہور ہے مگر جس طرح نہج البلاغۃ کے تمام خطبات آپ کے نہیں ہیں بلکہ اکثر ان میں الحاقی ہیں اسی طرح آپ کی طرف منسوب شدہ اشعار بھی سب آپ کے نہیں ہیں ان میں بہت سے الحاقی ہیں علامہ زمخشری اور مازنی کا خیال ہے کہ حضرت سیدنا علیؓ کے صرف دو شعر ان کے اپنے ہیں اور وہ یہ ہیں :-

تِلکم قُریشٌ تمنانی لِتقتلنی فلا وربک ما برّوا ولا ظفروا

فان ھلکتُ فرھنٌ ذِمّتی لھُم بذاتِ ودقین لا تعفولھا اثر

ان کے علاوہ بعض علما نے دیوان کے ان اشعار کو بھی آپ ہی کے اشعار بتایا ہے جن میں عمرو بن عبدودّ کے قتل کا ذکر ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے :-

اَعلیَّ یقتحم الفوارس ھکذا عنّی وعنہ اُخرّوا اصحابی

لیکن عقل کا تقاضا ہے کہ آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے روح فرسا صدمہ کے موقع پر بھی کچھ اشعار۔ مرثیہ بھی ضرور کہا ہوگا اس لئے میرے نزدیک یہ تو صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ آپ نے صرف دو ہی اشعار کہے ہوں۔ پس گو سارا دیوان آپ کا کہا ہوا نہ ہو تو نہ سہی مگر آپ کے اشعار یقیناً دو سے زائد ہوں گے۔

۲۔ نابغہ جعدی: نام عبداللہ والد کا نام قیس۔ قبیلہ بنو جعدہ۔ کنیت ابو لیلی۔ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ شخص شراب۔ جوئے اور بت پرستی کو بُرا جانتا تھا۔ ظہورِ اسلام پر یہ بھی اسلام لے آئے۔ انھوں نے حضورؐ کے سامنے اپنا ایک نعتیہ قصیدہ پڑھا اس پر آپ نے خوش ہو کر تحسین اور دعا میں فرمایا: "لا فُضَّ فوکَ" تیرا منہ شکستہ نہ ہو۔

ان کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی۔ مگر مرتے دم تک ان کے تمام دانت سالم تھے۔ نابغہ ذُبیانی اور منخّل ان کے ہم عصر تھے ان کے قصائد بہت مشہور ہیں۔ ان کے کلام کے متعلق کسی نقّاد کا یہ جملہ بہت مشہور ہو گیا ہے کہ "خمارٌ بواقٍ ومطرفٌ بآلافٍ" اوڑھنی تو ٹکے کی مگر چادر ہزاروں کی)

یعنی اندر کا مضمون تو معمولی مگر لفظوں کی پالش اور جلا غضب کی۔ یا یہ کہ بعضے اشعار معمولی مگر بعضے بڑے غضب کے۔

(۳) حُطیئہ: نام جرول۔ باپ کا نام اوس۔ قبیلہ بنو عبس۔ کنیت ابو مُلیکہ۔ لقب حُطیئہ کیوں کہ یہ بڑا بدرو، پستہ قد اور کنجوس تھا۔

یہ نہایت کم نسب بلکہ مجہول النسب تھا۔ اصمعی نے لکھا ہے کہ یہ نہایت کمینہ۔ بد دین۔ بد طینت بدصورت۔ بھک منگا۔ کنجوس اور لالچی تھا کم نسبی سے اس کا کوئی سرپرست نہ تھا سو سائٹی میں لوگ اسے ذلیل نگاہوں سے دیکھتے تو اس نے چاہا کہ اپنی ذہانت، جودتِ طبع اور شاعری ہی کے سہارے سوسائٹی میں ابھر کر اپنے لئے اچھا مقام بنالے۔ لوگوں نے جب اُسے بُرا کہا تو اس نے بھی جواب میں سخت سُست کہنا شروع کر دیا اس وجہ سے اس کی شاعری کی اٹھان ہی ہجو اور بدگوئی میں ہوتی اور اسی میں یہ شخص شیطان کی طرح مشہور ہو گیا۔ اس کی بدگوئی اور بدزبانی کا یہ حال تھا کہ اس کی بدگوئی سے کوئی شخص نہ بچ سکا۔ اس کی ماں اس کا باپ۔ اس کا بیٹا۔ خود اس کی اپنی ذات اس نے سب کو برا کہا۔ اسلام کے ظاہر ہونے پر پہلے تو اسلام لایا پھر یہودی فطرت کے باعث مرتد ہو گیا۔ پھر کسی موقع پر اسلام قبول کر لیا مگر نہایت مذبذب اور ڈھلمل یقین بن کر زندہ رہا۔ مسلمانوں کی بھی ہجو کہتا اور در پردہ مسلمانوں کی بدگوئی کرتا یہاں تک کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت زبرقان کی بھی ہجو کہی۔ کہتے ہیں کہ اس نے نہایت عیاری اور منافقت سے حضرت زبرقان کی ہجو کہی کہ اسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی پہلے نہ سمجھ سکے مگر جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف توجہ دلائی اور اس کی شرارت کی نشان دہی کی تب آپ کو اس کی بدباطنی اور منافقت کا علم ہوا اور آپ نے اسے قید کر دیا۔ تب اس نے قید خانہ سے شعر کہہ کر حضرت عمر کی خدمت میں بھیجے جن میں رہائی کی درخواست کی تھی آپ نے فرمایا کہ اس شرط پہ رہائی مل سکتی ہے کہ آئندہ کسی شخص کی بھی ہجو نہ کرے۔ تو اس نے کہلایا کہ حضور یہی میرا ذریعہ رزق ہے۔ اسے بند کر دوں تو میرے اہل و عیال پھر کھائیں گے کیا؟ آپ نے فرمایا کہ اچھا تو خبردار کسی مسلمان کی ہجو نہ کرنا۔ اس نے عرض کیا کہ اس کا کچھ معاوضہ مجھے ملے تو میں اس کا عہد کروں آپ نے اس کا منہ تین ہزار درہم کا بھاری لقمہ دے کر بند کر دیا کہ پھر وہ مسلمانوں پر نہ کھلے۔ مگر بھلا طبعی خباثت کہاں جا سکتی تھی ادھر حضرت عمرؓ کی

شہادت ہوئی اور اُدھر اس نے اپنی بد معاشی اور بد طینتی پھر ظاہر کرنی شروع کر دی۔ یہ شخص ۵۹ھ / ۶۷۸ء میں مرا۔ علماء نقد کا قول ہے کہ اگر اس کی ذات میں خباثت نسب میں کمزوری۔ طبیعت میں چھچھور اپن نہ ہوتا تو مخضرم شعراء میں کوئی شخص اس کے ٹکر کا نہ تھا۔ کلام میں زور۔ الفاظ کی بندش پختہ اور سلیس جیسی اس کے یہاں ہے دوسرے مخضرم شعراء میں نہیں ہے۔ باوجود ہجوگوئی کے اس کے کلام میں فحش اور شرمناک باتیں نہیں ہوتی تھیں۔

۴۔ حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضؓ: نام حسان۔ والد کا نام ثابت قبیلہ خزرج جو انصار مدینہ میں ممتاز قبیلہ تھا۔ کنیت ابوالولید۔ آپ کی ولادت حضورؐ کی ولادت سے آٹھ سال قبل مدینہ میں ہوئی حضورؐ جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا پھر ساٹھ ہی برس اسلام میں بھی زندگی پائی اور ایک سو بیس سال کی عمر پا کر ۵۴ھ / ۶۷۴ء میں مدینہ میں انتقال فرمایا، اسلام سے قبل آپ نے منذر خاندان اور غسان خاندان کے بادشاہوں کی اور بالخصوص خاندان جفنہ کی مدح میں بہت سے قصائد کہے اور انھوں نے آپ کی قدر دانی میں آپ کو انعام و اکرام بھی دئے مگر اسلام لانے کے بعد آپ نے اپنے آپ کو حضورؐ کی نعت۔ مدح (اور بعد وفات حضورؐ کے آپ کے مرثیہ) کے لئے اور اسلام کی مدافعت کے لئے وقف کر دیا اور حسب ارشادِ نبوی زبان سے اسلام کی نصرت کی۔ آپ کو بیت المال سے وظیفہ بھی ملتا تھا۔ آپ کی نظمیں جو کفار کی ہجو میں تھیں انھیں سُن کر حضورؐ نے خوش ہو کر فرمایا "اُهجُهُم ومعك روح القدس" "یعنی بس تم ان کفار کی ہجو برابر کرتے رہو روح القدس تمھارے ساتھ ہے۔"

چنانچہ آپ کے اشعار کفار کے دلوں میں تیر کی طرح لگتے اور کانٹے کی طرح کھٹکتے اور وہ لوگ رو رو دیتے۔ آپ کا قلب بہت کمزور تھا جہاد میں آپ نے شرکت نہیں کی۔ آخر عمر میں آپ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں آپ کے اشعار میں۔ فخر۔ شجاعت۔ مدح۔ ہجا۔ حمد۔ نعت کے مضامین زیادہ ہیں۔ علماء نقد کی رائے ہے کہ آپ کے مدحیہ اشعار میں وہ زور و اثر نہیں جو ہجو کے اشعار میں ہے کچھ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ہجو میں آپ کے کلام کی پشت پر حضرت جبرئیلؑ کی امداد ہوتی تھی جو مدح میں نہ ہوتی تھی، دوسرے یہ کہ مدح کے اشعار دل

کی گہرائی سے نہیں اوپری دل سے بغیر اخلاص کے محض ضرورت کے سبب سے ہوتی تھی۔ البتہ حضورؐ کی نعت اور مرثیہ میں چوں کہ دل کا جذبۂ خلوص بھی ساتھ ہوتا تھا اس لئے اس میں زور و اثر بہت کافی ہے۔ بہر حال اسلام لانے کے بعد آپ نے مدح میں اشعار کم کہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار خبر ملی کہ کسی نے حضرت ابوبکرؓ کو کچھ برا کہہ دیا۔ تو آپ نے فوراً منبر پر تشریف لے جاکر ایک تقریر فرمائی اور اس میں ابوبکرؓ کے فضائل و مناقب دیر تک بیان فرمانے کے بعد فرمایا۔ "کیا تم میری خاطر بھی میرے دوست ابوبکرؓ کو برا کہنے سے باز نہ رہو گے؟" اس کے بعد حضرت حسان سے کہا ایسے اشعار سناؤ جن میں تم نے میری اور ابوبکر کی تعریف کی ہو تو آپ نے ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

اذا تذکرتَ شجواً من اخی ثقۃٍ فاذکر لخاک ابابکر بما فعلا

التالی الثانی المحمودَ شیمتہ واوّلُ النّاسِ طرّاً اصدق الرسلا

الثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدوّ بہ اذ صعّد الجبلا

(۵) حضرت سیدنا کعب رضی اللہ عنہ: نام کعب والد کا نام زُہیر ابن ابی سلمٰی صاحب المعلقۃ قبیلہ مُزینہ۔ کئی پشت سے ان کے خاندان میں شاعری چلی آتی تھی اور ان کے گھرانہ میں متعدد نامور شعرا گزرے۔ ان کے بھائی بُجَیر ان سے پہلے اسلام لائے۔ انھوں نے سنا تو انھوں نے حضورؐ کی (معاذ اللہ) ہجو میں زبان آلودہ کی۔ حضورؐ نے بدگوئی کی خبر سنی تو پہلے تو آپ نے ادھر التفات بھی نہ فرمایا لیکن جب سُنا کہ بدگوئی بڑھی تو آپ نے اعلان فرمایا کہ اسے جہاں پاؤ قتل کردو۔ یہ خبر جب کعب کو لگی تو خدا کی طرف سے ایک عجیب رُعب اور ہیبت دل میں سماگئی اور ان کے ہوش اُڑ گئے۔ دل سے توبہ و ندامت کرکے چُھپتے چُھپاتے مدینہ کی طرف چلے راستہ میں حضورؐ کی نعت اور مدح میں ایک زوردار قصیدہ کہا گویا اپنی سابقہ ہرزہ سرائی کی تلافی کی اور کفّارہ ادا کیا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے:۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبولُ متیّمٌ اِثرھا۔ لم یفد۔ مکبول

یہ لاجواب قصیدہ اپنے ابتدائی دو لفظوں "بانت سعاد" ہی کے نام سے آج تک مشہور اور

فصحاء عالم سے خراجِ تحسین لے رہا ہے۔ غرض چھپتے چھپاتے مدینہ پہنچے اور خود سیدھے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ راستہ میں برابر یہ خبر ملی کہ مرے قتل کا اعلان ہو چکا ہے حضورؐ کے سامنے ایک اجنبی مسافر بن کر پہنچے اور عرض کیا کہ "سنا ہے آپ نے کعب ابن زہیر کے قتل کا حکم دے دیا ہے آپ نے فرمایا ہاں عرض کیا اجازت ہو تو میں اسے پکڑ لاؤں۔ ارشاد ہوا جاؤ پکڑ لاؤ۔ عرض کیا اور اگر وہ معافی کی درخواست کرے۔ دربارِ رسالت و رحمت سے ارشاد ہوا کہ اگر وہ معافی مانگے گا تو معاف بھی کر دیا جائے گا۔ پس یہ سن کر بے تابانہ حضورؐ کے قدمِ مبارک پکڑ لئے اور رو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! وہ بدبخت میں ہی ہوں مگر اب توبہ کر کے مسلمان ہونے حاضر ہوا ہوں آپ نے خوش ہو کر ان کو کلمۂ اسلام کی تلقین فرمائی تو عرض کیا میں نے حضرت کی شان میں کچھ عرض ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا ہے اجازت ہو تو سناؤں آپ نے فرمایا سناؤ تو وہ قصیدہ سنایا جس میں مذکورہ واقعات کا اپنے شاعرانہ انداز میں بڑے مزے سے ذکر کیا ہے کہتے ہیں۔

تسعی الوشاۃ جانبیھا و قولھم — انک یا ابن ابی سلمی لمقتول
انبئت ان رسول اللہ اوعدنی — والعفو عند رسول اللہ مأمول
مھلاً ھداک الذی اعطاک نافلۃ — القرآن فیھا مواعیظ و تفصیل
لا تاخذنی باقوال الوشاۃ ولم — اذنب وان کثرت فی الاقاویل

جب اس شعر پر پہنچے :۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ — مھند من سیوف الھند مسلول

تو آپ کے چہرۂ مبارک پر مسرت اور بشاشت کی ایک لہر دوڑ گئی اور آپ نے ان کو دو انعامات سے نوازا ایک انعام تو ادبی تھا کہ دوسرے مصرع میں ایک اصلاح دی ارشاد ہوا کہ سیوف الھند نہ کہو سیوف اللہ کہو۔ اب اسے صرف ذوقِ سلیم ہی جان سکتا ہے کہ اس اصلاح نے کیسی کچھ جان شعر میں ڈال دی۔ مھند میں ہند کا لفظ تو آ ہی چکا تھا۔ پھر دوبارہ الھند لانا محض بھرتی تھا۔ حضورؐ نے اس سقم کو الگ دور فرمایا اور الھند کی جگہ اللہ کہہ کر شعر کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا اور دوسرا

انعام مادّی تھا وہ یہ کہ اپنا بُردۂ مبارک (دھاریدار ی چادرہ) اپنے دوشِ مبارک سے اتار کران کو عطا فرمادیا (اور اسی بردۂ شریفہ کے انعام کے واقعہ سے یہ قصیدہ، قصیدۂ بُردہ کے نام سے بھی موسوم ہے) وہ بُردۂ شریفہ عرصہ تک اُن کے خاندان میں رہا تا آنکہ حضرت سیدنا امیرالمومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے خاندان والوں سے ایک گرانقدر رقم کے عوض خرید لیا۔

برصغیر ہند و پاک کا واحد عربی ماہنامہ

البعث الاسلامی

زیر سرپرستی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

زیر ادارت

سید محمد حسنی

خوب صورت عربی ٹائپ پر نئی ترتیب کے ساتھ

تازہ شمارہ کی ایک جھلک

قاہرہ میں چند دن

(قاہرہ کی معاشرتی و علمی زندگی کا ایک دل چسپ خاکہ)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے

عربی قومیت تاریخ اور حقائق کی کسوٹی پر

مولانا محمد ناظم ندوی، شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بھاولپور

ہندستان میں مساجد کی تاریخ

مولانا حکیم سید عبدالحئی مرحوم

ہندوستان کے خاموش مصلحین

سید محمد رابع ندوی استاذ ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء

جگر اور ان کی شاعری

سعید الاعظمی

دوسرے مستقل عنوانات، اداریہ — قرأت تک ندوۃ البعث ——— کے علاوہ

چندہ سالانہ صہ　　فی کاپی آٹھ آنے

ترسیل زر کا پتہ

ہندوستان میں:-

دفتر "البعث" ۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ

پاکستان میں:-

دفتر "فاران"، کیمبل اسٹریٹ کراچی نمبر ۱